ڈاکٹر محمد عامر اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف سیال کوٹ،
سیال کوٹ۔

کلیم الدین احمد کی اقبال فہمی کا تنقیدی مطالعہ

Iqbal had to face criticism from the outset, but he remained resolute to perform his national as well as patriotic duty. It is our responsibility to pass on the philosophy of Iqbal truly to the posterity and we should not be dishonest in this regard. Kaleem ud Din Ahmad served Patna University, India as a professor in English. He emerged as a "disputed critic" on the horizon of Urdu Literature. However, his publications were believed to be a "new dimension" of Urdu criticism. This article is a critical study of Kaleem ud Din Ahmad's vociferous publication "Iqbal-Aik Mutalia". In his book, he expressed his own opinion and ctitically analysed Iqbal's long poems. The main purpose of this article is to highlight Kaleem ud Din Ahmads's understanding of Iqbal which he expressed in his book. Along with the critical discussions of Kaleem ud Din Ahmad, this study also presents the opinions of various other researchers, critics and Specialists of Iqbaliat. Kaleem ud Din Ahmad presented his ideology under the influence of a particular mental tendency. He was accused of being greatly impressed from English language and literature. However, it is not bad to be impressed by English language and literature as it shows your extensive study which brings changes in your opinions, feelings and emotions. Iqbal himself delivered lectures in English language and studied numerous Western scholars as well. It should be taken as a positive thing since it opens up new dimensions for research, criticism and creativity. The students of Iqbaliat may invigorate and fortify the philosophy of Iqbal through this research.

KEYWORDS: Critical analysis of Kaleem ud Din Ahmad's understanding of Iqbal.

اقبال کی تحریروں کے ساتھ ،افکار کے ساتھ ،فلسفہ کے ساتھ ،نظریات کے ساتھ اور خیالات کے ساتھ جو کچھ ہوا ہم سب اس سے آگاہ ہیں یہ کوئی نئی یا ڈھکی چھپی بات نہیں اور نہ ہی کوئی عجیب بات ہے۔اہلِ زبان نے اقبال کو شاعر تسلیم کرنے سے انکار کیا، ترقی پسندوں نے اقبال کے خیالات و نظریات اور افکار کی من گھڑت تعبیر پیش کرنے کی کوشش نہ صرف جاری رکھی بلکہ اسے تحریک بنا کر اور بھی تیز کر دیا۔واعظوں نے اپنی تقاریر کو دل کش بنایا، خطیبوں نے اپنے بیانات کو د ل نشیں بنایا،شارحین نے اپنی پسند کی شرحیں بیان کیں،پبلشروں نے اپنے کاروباری مقاصد کو مدِ نظر رکھا۔ایسا وقت بھی آیا تھا کہ اقبال نے پریشان ہو کر شاعری ترک کرنے کا سوچا تو شفیق اور انتہائی معتبر استاد ڈاکٹر آرنلڈ روک دیتے ہیں۔ایک دور میں اقبال کو یہاں تک کہنا پڑا کہ خدا اس شخص کو ہرگز نہ بخشے گا جس نے مجھے شاعر جانا۔اقبال کے پیشِ نظر چند قومی اور ملّی مقاصد تھے جن کی ترویج اور تکمیل کے لیے وہ شاعری کے میدان میں اترے۔اقبال کی شاعری کو کسی تعصب کی بنا پر حدکا پابند کرنا انصاف کی بات نہیں۔اقبال کو سمجھنے کے لیے قلوب و ازہان میں وسعت لانا ہو گی تب کہیں جا کراقبال پر تنقید و تحقیق کا حق اور فرض ایمان داری سے ادا ہو گا اور اقبال کی پیروی بھی ممکن ہو سکے گی ورنہ پروفیسر عبدالحق کی یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ:

"اقبال کی پیروی ایک ناممکن عمل ہے"(۱)

اقبال کی شاعری میں فکر کی جو صورت نمایاں ہے اس کی تعبیر و تفسیر میں بد دیانتی سے کام نہیں لینا چاہیے۔اس سے شہرت تو مل جاتی ہے مگر فکرِ اقبال کی روح تڑپ اُٹھتی ہے۔اس لیے یہ بات بجا طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ:

> اقبال نے فکر و آگہی کی اس دولتِ بیدار کو انسانوں کے قافلے میں لٹا دینے کے لیے آپ کو ہدایت دی ہے۔بخل اور بے انصافی نہ کیجیے (۲)

اقبال کے شعری اسلوب کا مطالعہ کرنا یا اس کا تنقیدی جائزہ لینا کوئی شجرِ ممنوعہ نہیں مگر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ:

> اقبال نے فکر و پیغام کی ترجمانی یا حقائق کی ترسیل کے لیے ملکی و قومی روایات سے متاثر ہو کر شعری اسلوب کو پسند کیا (۳)

اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اقبال کی شاعری کا مطالعہ راست بازی کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گااور نہ صرف آہو بھٹکنے سے بچ جائے گا بلکہ سوئے فراز گامزن بھی ہو گا۔جو لوگ اقبال دشمنی سے

کام لیتے ہیں انہوں نے اقبال کی پاکیزہ شخصیت کو آلودہ کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں:

> قوم پرستوں اور ترقی پسندوں نے اقبال کو کیا کچھ کہا۔ان کی پیغمبرانہ شخصیت کو پامال کرنے اور اقبال کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا(۴)

لوگ تو اقبال پر اعتراض کرتے کرتے اس حد سے آگے نکل جاتے ہیں کہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے لکھا ہے:

> تاجور نجیب آبادی نے بڑے مربیانہ انداز میں جگن ناتھ آزاد کو تلقین کی کہ اقبال بڑے شاعر ضرور ہیں لیکن زبان و بیان کے باب میں مستند نہیں(۵)

اس طرح اقبال کی عظمت اور برتری کے اعتراف کا رجحان تو زیادہ ہے مگر کہیں کہیں اقبال پر اعتراض اور تنقید کا بازار بھی گرم دکھائی دیتا ہے۔جو لوگ اقبال کی صفات کے معترف ہوئے وہ شہرت و عزت کے بامِ عروج تک جا پہنچے اور اقبال سے دشمنی نبھانے والے گمنامیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دفن ہو گئے۔انہوں نے اپنی طرف سے اگر اقبال پر اعتراضات سے بھرپور کتاب لکھی بھی ہے تو اسے دوبارہ شائع ہونے کا موقع شاید ہی ملا ہو۔اقبال کی شاعری کے حوالے سے کلیم الدین احمد کی تصنیف " اقبال۔ایک مطالعہ" بھی منظرِ عام پر آئی تھی۔اس کتاب کے چند موضوعات پر اس مضمون میں بحث کی گئی ہے۔

اردو زبان و ادب کے معروف نقاد کلیم الدین احمد ۱۵ ستمبر۱۹۰۸ء کو عظیم آباد کے ایک ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے۔والد کا نام عظیم الدین احمد تھا جو پٹنہ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے اور اردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کے مشہور شاعر بھی تھے۔کلیم الدین احمد نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔۱۹۲۴ء میں میٹرک اور ۱۹۲۸ء میں بی۔اے آنرز کیا۔انگلینڈ سے ایم۔اے انگریزی کرنے کے بعد پٹنہ یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔۱۹۴۰ء میں آپ کی تصنیف " اردو شاعری پر ایک نظر" شائع ہوئی۔تنقید کی یہ کتاب بہت مشہور ہوئی اور آپ متنازع نقاد بن کر ابھرے۔آپ کے مشہور جملے " غزل نیم وحشی صنفِ سخن ہے" نے تنقید و تحقیق اور بحث کے نئے دروازے کھول دیے۔ادبی حلقوں میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔۱۹۴۲ء میں تنقید کے حوالے سے ہی آپ کی تخلیق " اردو تنقید پر ایک نظر" سامنے آئی۔یہ کتاب پہلے سے بھی زیادہ ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔آپ نے دعویٰ کیا کہ " اردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے"۔آپ کی تصنیف " فنِ داستان

گوئی" ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔اس میں آپ نے داستان گوئی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی تحسین بھی کی ہے۔۱۹۵۵ء میں آپ کی کتاب " سخن ہائے گفتنی" شائع ہوئی۔۱۹۵۹ء میں " دو تذکرے"۱۹۵۹ء میں " دیوانِ جہاں" اور ۱۹۶۳ء میں " عملی تنقید " شائع ہوئی۔اسے اردو تنقید کا نیا رخ قرار دیا جاتا ہے۔۱۹۷۳ء میں آپ نے " تاریخ نور " کے عنوان سے واجد علی شاہ کے نام ان کی بیگمات کے خطوط شائع کیے۔اس کے علاوہ حکومتِ ہند کے ادارے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نے تین جلدوں میں آپ کی ایک "انگریزی اردو لغت" بھی شائع کی۔آپ نے " اپنی تلاش میں " کے عنوان سے اپنی سوانح عمری بھی لکھی۔۱۹۷۹ء میں آپ نے علامہ اقبال کی شاعری کے حوالے سے ایک کتاب "اقبال۔ایک مطالعہ" قلم بند کی۔یہ کتاب بہت ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔آپ اقبال کو عالمی شاعروں میں شمار نہ کرتے تھے۔بھارتی سرکار نے آپ کی خدمات کے صلے میں ۱۹۸۱ء میں آپ کو ہندوستان کے سرکاری اعزاز " پدم شری اعزاز" سے نوازا۔

آپ کی بہت سی تصانیف اور بھی ہیں مگر یہ مضمون آپ کی تصنیف " اقبال۔ایک مطالعہ" کے حوالے سے ہے۔کتاب کے ناشر نے دعویٰ کیا تھا کہ اقبال پر لکھی گئی تصانیف میں یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ناشر نے لکھا تھا کہ اقبال کے حوالے سے چونکا دینے والی حقیقتیں پہلی بار اس کتاب میں منظرِ عام پر آئی ہیں۔ناشر نے اپنے ادارے کی طرف سے اس تصنیف پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا اور ہر حلقے میں اس کے خیر مقدم کی امید دلائی۔مصنف نے سات عنوانات کے تحت اس کتاب میں گفتگو کی ہے یعنی اس کتاب کے سات ابواب کہے جا سکتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔(۱)دانتے ور اقبال (۲) اقبال کی پانچ نظمیں(۳) اقبال کی فارسی نظمیں(۴) اقبال کی اردو اور فارسی غزلیں(۵)اقبال کی آٹھ مختصر نظمیں(۶)شاہین اور THE WIND HOVER ۷ (اقبال اور ملٹن مصنف نے ابواب کی درجہ بندی نہیں کی۔کتاب کے باب دوم " اقبال کی پانچ نظمیں" پراس مضمون میں تفصیلی روشنی ڈال گئی ہے۔یہ درجہ بندی اور ابواب بندی مصنف کی جانب سے نہیں ہے بلکہ خود ہی آسانی کے لیے یہ ترتیب پیش کی گئی ہے۔ویسے بھی یہ مضمون اسی درجے پر بہ آسانی دستیاب ہے۔اس مضمون کا مرکزی نکتہ ان باتوں کو سامنے لانا ہے جو کلیم الدین احمد نے کہی ہیں۔کلیم الدین احمد کی تحریروں کا جائزہ لیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ اقبال کی شاعری کے معترف تو ہیں مگر اقبال کے فکر اور اقبال کی عظمت جو اقبال کو شاعرِ مشرق اور حکیم الامت بناتی ہے،اس کے معترف بھی نہیں ہیں۔کلیم الدین احمد کو اس بات پر بہت اعتراض تھا کہ فکرِ اقبال نے شاعری کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔آپ نے اپنی تصنیف کے پیش لفظ میں لکھا کہ:

اقبال شاعر تھے اچھے شاعر تھے اور وہ زیادہ اچھے شاعر ہو سکتے تھے اگر وہ شاعر ہونے پر قناعت کرتے اور پیغمبر بننے پر مصر نہ ہوتے۔اس پیغمبری نے ان کی شاعری پر ایک کاری ضرب لگائی لیکن اس کاری ضرب کے بعد بھی ان کی شاعری باقی رہی اور یہ ان کی شعری جانداری کا ثبوت ہے(۶)

کلیم الدین احمد چاہے فکرِ اقبال سے مخالفت رکھتے ہوں یا اس کے قائل نہ ہوں ،یا یہ سمجھتے ہوں کہ اقبال کی شاعری کو اقبال کی فکر نے تباہ کیا،مگر یہ ان کا تنقیدی زاویہ ہے۔نقاد کو اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر تحقیق کے بعد اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔کلیم الدین احمد اقبال کی شاعری کے تو معترف تھے مگر پھر بھی چند تحفظات کا ذکر انہوں نے کیا ہے۔نظم ’’خضرِ راہ‘‘ میں اقبال نے جن عنوانات کے تحت گفتگو کی ہے دراصل یہ اقبال کی فکر،اقبال کے پیغام اور اقبال کی تعلیم کا ایک سیلِ رواں ہے۔اس میں اقبال نے زندگی کا راز بتایا ہے۔سلطنت کیا ہے؟ اس پر روشنی ڈالی ہے۔سرمایہ و محنت کی وضاحت کی ہے اور دنیائے اسلام کا نقشہ کھینچا ہے۔کلیم الدین احمد نے اس نظم کا جائزہ اپنے مخصوص ذہنی اور فکری میلان کے مطابق کیا اور کہا۔

> یہ صرف بدنما داغ ہی نہیں بلکہ یہ حقیقت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ خضرِ راہ نظم نہیں کیونکہ اس کے مختلف حصوں میں ربطِ کامل تو بہت بڑی چیز ہے سرے سے کوئی ربط ہی نہیں(۷)

خضرِ راہ وہ نظم ہے جسے اقبال نے ۱۶/اپریل۱۹۲۲ء کو انجمن حمایتِ اسلام کے ۳۷ ویں سالانہ اجلاس میں ترنم سے پڑھا تھا۔اقبال پر جتنی رقت خضرِ راہ پڑھتے ہوئے طاری ہوئی وہ کسی اور نظم کے دوران میں نہ ہوئی تھی۔نظم میں خضر کا کردار،ڈرامائی کیفیت،نظم کا دھیمالہجہ،رنگِ تغزل،تراکیب، تشبیہات،مرصع کاری،بہت سی صنعتیں،تصاویر،امیجری۔غرض یہ کہ اس نظم میں ہر قسم کی شاعرانہ اصطلاحات کا خزانہ موجود ہے۔یہ بے مثال نظم ہے جس میں اقبال کی شاعری تمام محاسن کے ساتھ بامِ عروج تک پہنچی ہوئی ہے۔اس نظم کی مثال اردو زبان یا دیگر کسی زبان کی شاعری میں شاید ہی کہیں ملتی ہو۔نظم ’’خضرِ راہ‘‘ کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> خضرِ راہ اگرچہ اس دور میں لکھی گئی جب اقبال کی شاعری فنی ارتقاء کے ان مدارج پر نہیں پہنچی تھی جہاں پہنچ کر اقبال نے مسجدِ قرطبہ،ذوق و شوق اورساقی نامہ ایسے شاہ کار تخلیق کیے اس کے باوجود خضرِ راہ میں اقبال کی فنی انفرادیت نمایاں ہے(۸)

کلیم الدین احمد نے نظم خضرِ راہ کے پہلے چار اشعار کی فنی خوبیوں کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے۔

یہ ایک حسین شاعرانہ تصویر ہے جس کے اجزا صاف نظرآتے ہیں(۹)

کلیم الدین احمد نے نظم کی فنی خوبیوں کا برملا اظہار تو کیا ہے اور تشبیہات کے استعمال کا ذکر کشادہ دلی سے کیا ہے مگر ساتھ ہی کچھ اشعار کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ:

یہاں باتیں ہیں۔شاید کام کی باتیں ہیں لیکن ان میں شعریت نہیں(۱۰)

کلیم الدین احمد فنی خوبیوں پر اعتراض کرتے ہیں؟ فکر و فلسفہ پر؟شاعری پر؟ یہ بات واضح نہیں ہے۔ان کا قلم شترِ بے مہار کی طرح جدھر کو بھی چلا ،آگے نکل گیا۔لکھتے ہیں۔

اس مختصر سے تجزیے سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس نظم (خضرِ راہ) کی فنی حیثیت کیا ہے؟اور یہ بھی کہ فنی حیثیت سے اسے کوئی امتیاز حاصل نہیں (۱۱)

کلیم الدین احمد کو" خضرِ راہ "میں نہ تو کوئی فنی خوبی نظر آئی کہ جس کی بنا پر وہ اس نظم کو کسی حیثیت سے کوئی مقام دیتے حالانکہ اس نظم کی فنی خوبیوں کا مختصر خاکہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔مزید آگے بڑھیں تو یہ بات بھی ہماری نظر سے گزرتی ہے کہ کلیم الدین احمد کو اس نظم میں حسنِ صورت کی کمی بھی نظر آتی ہے اور وہ اس نظم کے فورم کو بھی ناقص قرار دیتے ہیں۔گویا جس مقام پر جو بات کہی گئی ہے وہ اس کی جگہ نہیں بنتی۔

دراصل اقبال نے شاعری سے جو قومی اور ملی مقاصد حاصل کیے ہیں ان کے لیے نظم کے عنوان کو تو مرکزی حیثیت دی ہے اور اس حیثیت کو کہیں نظر انداز نہیں کیا اور تبدیلی یہ ہے کہ ہر بند میں نیا موضوع مفصل انداز سے بیان کیا ہے۔یہ انداز بالکل اچھوتا،نیا اور مختلف تھا۔شاعر حضرات اس سے نا واقف تھے۔کچھ نے قبول کیا اور کچھ نے نہ کیا۔جنہوں نے قبول نہ کیا وہ پھر اپنی باتوں کی صداقت کے لیے طومار باندھنے لگے۔دراصل اقبال جس قوم کی بیداری کے لیے شاعری کر رہے تھے وہ قوم اقبال کی بات سمجھ بھی رہی تھی اور سمجھا بھی رہی تھی اور اس شاعری کی بدولت بیداری کی لہر بھی دوڑ گئی تھی۔کلیم الدین احمد نے نظم " طلوعِ اسلام " پر بھی تبصرہ کیا۔کلیم الدین احمد "طلوعِ اسلام" کے حوالے سے کہتے ہیں:

جن پانچ نظموں کا میں نے اس مقالے کے لیے انتخاب کیا ہے ،ان میں سب سے کمزور نظم طلوعِ اسلام ہے (۱۲)

کلامِ اقبال میں شاعرانہ موسیقی کے ساتھ ساتھ لفظی جادوگری بھی پائی جاتی ہے۔اقبال کی شاعری میں ایک درس ،ایک پیغام اور ایک دعوتِ فکر و عمل ہے۔اس کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا سارا حسن اور طرزِ ادا کی تمام دلکشی اور رعنائی بھی موجود ہے۔اس نظم میں تشبیہات اور علامات کا بھر پور استعمال کیا گیا ہے۔الفاظ و تراکیب کا استعمال بھی اقبال نے خوبصورت پیرائے میں کیا ہے۔نظم " طلوعِ اسلام " میں اقبال کا فن عروج پر دکھائی دیتا ہے۔کلیم الدین احمد نے اس نظم کا مطالعہ اپنے ہی خاص ذہنی پس منظر میں کیا ہے۔پانچویں بند کو تو وہ نظم ہی تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ایک بند کے اشعار میں اقبال کے مخصوص رنگ کی صداقت بھی دیتے ہیں،ان اشعار میں موجود خیالات، گہرائی، صداقت اور بے پناہ زور کے بھی معترف ہیں۔بیان کی شان و شوکت بھی تسلیم کرتے ہیں مگر پھر بھی کہتے ہیں:

اس بند کو نظم نہیں کہہ سکتے (۱۳)

اشعار میں انہیں شاعرانہ حسن محسوس نہیں ہوتا۔آپ کہیں شعریت کے قائل ہوتے ہیں تو کہیں صداقت کا اقرار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔کہیں شاعرانہ حسن کے جھمیلوں میں الجھ کر فرماتے ہیں:

> ان شعروں سے یہ بات نکلتی ہے کہ شعریت کے لیے صداقت کافی نہیں۔اقبال کے جذبات و خیالات خیالی نہیں۔وہ سب کے سب ذاتی ہیں اور جوش کے ساتھ محسوس کیے گئے ہیں،اس لیے ان میں صداقت بھی ہے۔لیکن شاعرانہ حسن نہیں(۱۴)

کلیم الدین احمد کو " طلوعِ اسلام " کے کچھ اشعار میں ایک قسم کی برہنگی اور قطعیت کا احساس ہوتا تھااور ان کے نزدیک یہ ایک ہنگامی قسم کی نظم تھی۔اس نظم میں اقبال کا خطیبانہ انداز آپ کو ایک آنکھ نہ بھایا اور کہا کہ:

> سب سے بڑی کمی اس نظم میں یہ ہے کہ یہ یک قلم شاعری نہیں۔یہ شروع سے آخر تک خطیبانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔اقبال کی اکثر نظموں میں یہ نقص پایا جاتا ہے لیکن قارئین کو اس کا احساس نہیں ہوتاہے اور اگر احساس ہوتا ہے تو اسے خوبی سمجھنے لگتے ہیں(۱۵)

اقبال کی شخصیت میں جو قائدانہ اورخطیبانہ صلاحیت تھی کلیم الدین احمد نے اسے قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا بلکہ اسے رد کر دیا اور نظم " طلوعِ اسلام" میں چونکہ یہ عنصر نمایاں تھا اس لیے آپ نے اسے اس نظم کا نقص قرار دیا۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نظم" طلوعِ اسلام " کے حوالے سے کہتے ہیں:

> طلوعِ اسلام بانگِ درا کی طویل نظموں میں اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں اقبال کے افکار زیادہ پختہ اور خوبصورت انداز میں سامنے آئے ہیں۔فنی اعتبار سے دیکھا جائے تواس کے بعض حصے نہایت سادہ اور عام فہم ہیں اور بعض حصے بے حد بلیغ اور گہرے مفاہیم ومعانی کے حامل ہیں(١٦)

کلیم الدین احمد نے جس انداز سے نظم کا مطالعہ کیا ہے اور جو اعتراضات کیے ہیں ان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ محدود" قلبی" کیفیات کے اظہار کی شاعری کے قائل تھے۔ با مقصد، قومی اور ملی شاعری آپ کو شاید پسند نہ تھی۔اقبال کی نظم" ذوق و شوق" کسی شاہ کار سے کم نہیں۔یہ نظم اقبال کے سفرِ فلسطین کا حاصل ہے۔اس نظم کے حوالے سے قابلِ غور بات یہ ہے کہ:

> سوز و گداز کا اظہار جس دل فریب پیرائے میں ' ذوق و شوق ' میں ہوا ہے ویسا کسی اور نظم میں نہیں ہوا(١٧)

اس نظم میں اس تصوراتی منظر کا نقشہ ہے کہ جس میں اقبال خود کو عالمِ تصور میں مدینۃ النبیؐ کے آس پاس محسوس کرتے ہیں۔اس نظم میں مسلمانوں کی کمزوریوں کاپُر درد ذکر ہے۔نعتیہ بند ہے جسے اقبال کی شاعری کا شاہ کار قرار دیا جاتا ہے۔عشق و فراق کو اس نظم میں موضوع بنایا گیا ہے۔یہ نظم موضوع اور وسیلۂ اظہار میں ہم آہنگی کی عمدہ مثال ہے۔اقبال پر مختلف انداز سے عربی کے اثرات نظر آتے ہیں اور نظم ذوق و شوق ان اثرات کی جھلک بھی نمایاں ہے۔عشقِ رسولؐ اور احیائے ملتِ اسلامیہ کی تڑپ اس نظم کی زینت ہے۔ایجاز و بلاغت ہو، صنعت گری ہو،شاعرانہ اصطلاحات ہوں،اس نظم کو کسی بھی رنگ سے پرکھا جائے تو کہیں بھی کوئی کمی یا خامی نظر نہیں آئے گی۔اس نظم کی ابتدا میں بھی فراق کا ذکر ہے اور اختتام بھی فراق پر ہوا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> نظم کا اختتام آغاز سے جا ملتا ہے۔فراق سے آغاز ہوا تھا اور فراق پر ہی اختتام ہوا۔اس طرح نظم ایک دائرہ بناتی ہے "(١٨)

وہ کون سی ادبی، علمی،مذہبی،سیاسی اور فنی خوبیاں ہیں جن کی کمی کمال الدین احمد نے محسوس کی اور انہوں نے کہا کہ:

اس نظم میں بھی فورم ناقص ہے (۱۹)

اور پھر چوتھے بند کو مکمل کہہ کر دیگر بندوں سے بالکل آزاد قرار دیا اور فرمایا:

اس کی لمبی چوڑی تشریح کی جاتی ہے لیکن یہ احساس ذرا بھی نہیں ہوتا کہ یہ بند مکمل ہے اور اسے نظم سے علاحدہ کیا جا سکتا ہے۔اور یہ ''ذوق و شوق ''کے فورم پر ایک بدنما دھبا ہے (۲۰)

اتنی خوبیوں کی حامل نظم میں انہوں نے جو چیز ڈھونڈ نکالی ہے اس کا علم و ادب کی دنیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔اسے خوبی قرار دینے کے لیے ادبی انداز اختیار کیا جانا چاہیے تھا مگر آپ نے منفی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔

کلامِ اقبال کی ایک اور شاہکار نظم '' مسجدِ قرطبہ '' ہے۔اقبال اندلس کی سیر سے بہت لطف اندوز ہوئے تھے۔اس دوران آپ نے نظم'' مسجدِ قرطبہ'' بھی لکھی۔اقبال نے'' مسجدِ قرطبہ'' کی زیارت بھی کی تھی۔اس سے اقبال کے جذبات کو بہت رفعت ملی۔جگن ناتھ آزاد نے نظم '' مسجدِ قرطبہ'' کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کی تھی۔

یہ نظم صرف اقبال ہی کا شاہ کار نہیں بلکہ ساری اردو شاعری کا شاہ کار ہے۔اردو شاعری میں اس نظم کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو بھی ہماری شاعری دنیا کی صفِ اول کی شاعری میں ایک ممتازمقام حاصل کر سکتی ہے۔' مسجدِ قرطبہ' شعریت ،روحانیت،حقیقت پسندی،رمزیت اور ایمانیت کا ایسا حسین امتزاج ہے کہ ہماری ساری اردو شاعری روزِ اول سے آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔۔۔اگر مجھے ہسپانیہ کی اس مسجد کو دیکھنے کا موقع ملے تو شایداس وقت بھی میں یہ فیصلہ نہ کر سکوں گا کہ ہسپانیہ کی مسجدِ قرطبہ زیادہ جلیل و جمیل ہے یا بالِ جبریل کی مسجدِ قرطبہ'' (۲۱)

ڈاکٹرخواجہ محمد زکریا نظم '' مسجدِ قرطبہ'' کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> نظم اپنی ساخت کے اعتبار سے ایک ہشت پہلو عمارت ہے۔جس کا ہر پہلومزید آٹھ آٹھ حصوں میں تقسیم ہے۔۔۔یہ نظم ہیئت اور موضوع کی ہم آہنگی کی نہایت عمدہ مثال ہے (۲۲)

پروفیسر عبدالحق نے نظم ''مسجدِ قرطبہ'' کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کیا ہے۔

> اقبال نے آہنگ سے ایک اور کام لیا ہے۔ان کی طویل اور مشہور نظموں کو لیجیے۔ہر بند میں ایک نیا موضوع ہے۔مثلاَ 'مسجدِ قرطبہ' کو لیجیے۔پہلا بند زمان و مکاں سے متعلق ہے۔دوسرا عشق کی ابدیت پر مشتمل ہے۔تیسرا فن کے دوام کا ذکر کرتا ہے۔چوتھا،پانچواں مردِ کامل پر محیط ہے۔اسی طرح دوسرے بند بھی ہیں (۲۳)

نظم ''مسجدِ قرطبہ'' کے تعارف،تفصیل اور تشریح کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھیں تو درج بالا بیان کردہ کلمات سے نظم کا خوبصورت نقشہ ذہن میں جگہ بنا لیتا ہے۔یہ ضروری نہیں کہ کسی چیز کی تعریف کرنا ہر ایک پر لازم ہے۔کسی بھی چیز کو کسی بھی انداز سے دیکھنا اور نتیجہ اخذ کرنا یہ ہر ایک کی ذہنی استعداد ہے۔تحقیق اور تنقید تو ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات ابتدائی طور پر پیش کردہ نتائج بھی مختلف صورت اختیار کر جاتے ہیں۔کلیم الدین احمد نے نظم ''مسجدِ قرطبہ'' کا مطالعہ اپنے ہی مخصوص ذہنی نقطہ نگاہ سے کیا ہے۔نظم میں موجود تمام تر خوبیوں کے باوجود جو نتائج آپ نے برآمد کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

> مسجدِ قرطبہ نظم نہیں ،منتشر خیالات کا مجموعہ ہے۔۔۔اس میں اقبال کے چند مخصوص و محبوب و محدود موضوعات ہیں اور بس(۲۴)

> کلیم الدین احمد نے بندوں کی تقسیم سے اپنے پسندیدہ نتائج اخذ کیے ہیں اور لکھا ہے کہ:

> دوسری نظموں کی طرح اس نظم میں بھی تکمیل کی کمی ہے اور بندوں کی ترتیب اٹل نہیں۔اور ان میں تسلسل بھی نہیں (۲۵)

کلیم الدین احمد پر نظم میں موجود ''عشق'' کی تکرار گراں گزرتی ہے جبکہ اس کے مقابل میرؔ کے اندازِ سخن کو سراہتے ہوئے لفظ ''محبت'' کی تکرار کو قابلِ قدر و قابلِ تحسین قرار دیا۔کہتے ہیں کہ:

(میرؔ کے) چھ شعر وں میں محبت کی ۱۳ بار تکرار ہے اور یہ تکرار کلام میں زور پیدا کرنے کے خیال سے ہےاقبال کے چھ شعروں میں ۱۵ بار عشق کی تکرار ہے اور دونوں میں یہ تکرار گراں معلوم ہوتی ہے لیکن میرؔ کے خیالات سیدھے سادے ہیں ان میں نہ تکرار ہے(محبت کے لفظ سے قطع نظر)اور نہ تضاد (۲۶)

اس کے بعد کلیم الدین احمد نے میرؔ اور اقبال کے اشعار پیش کیے ہیں اور کہا ہے کہ اقبال کے یہ شعر میرؔ کے شعرکا ہم سر نہیں ہو سکتا۔بات تو لفظ " محبت " کے استعمال اور اس کی تکرار کے حوالے سے ہو رہی تھی اور پھر کلیم الدین احمد " محبت " کا لفظ استعمال کرنے کے بعد اس سے قطع نظر کا مشورہ بھی دے رہے ہیں۔یہ ان کی طبیعت کا الجھاؤ ہے جس نے تحقیق کو بھی مشکوک بنا دیا ہے۔اقبال کی نظم ""مسجدِ قرطبہ"" میں اقبال کے فلسفہ عشق کے حوالے سے جو مستند،سیر حاصل،مدلل اور قابلِ قدر گفتگو پڑھنے کو ملتی ہے وہ علم و ادب ، مذہب اورسیاست کی کسی بھی کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔اسے سمجھنے کے لیے خاص قسم کے فہم و فراست کی ضرورت ہے۔اقبال نے مسلمانوں کے فنونِ لطیفہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی بھر پور تعریف بھی کی ہے۔سفلی جذبات کے حامل فنونِ لطیفہ کو اقبال غلامی اور بندگی کا باعث سمجھتے تھے۔کلیم الدین احمد نے تو اس جذبے کو نہ صرف شعر و فلسفہ سے بلکہ سچائی سے ہی خارج کر دیا۔کہتے ہیں :

اقبال نے صرف مسلمانوں کے لیے ایک دل خوش کن بات کہہ دی تھی ممکن ہے کہ وہ اسے سچ سمجھتے ہوں اور آپ اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔یہاں فلسفہ ہے نہ شعر ہے نہ سچائی ہے (۲۷)

کلیم الدین احمد نے اپنے خیالات کی تصدیق کے لیے شیلے،شیکسپئر اور الیٹ کے خیالات سے اقبال کے نظریات کا موازنہ پیش کیا ہے۔اس طرح تنقید کی جو بھی صورت جنم لے مگر یہ ضرور ہے کہ مغربی ادبیات میں اقبال شناسی کے عناصر تلاش کرنے کی روایت ضرورمستحکم ہو گی۔بالِ جبرئیل کی پر جوش نظم " ساقی نامہ ""میں اقبال کا جوشِ بیان کمال اورفن کی حدوں کو چھو کر آسمان کی حدوں تک جا پہنچا ہے۔قاری مطالعہ کرتا ہے تو جوشِ الفاظ اور خیالات کے سیلاب میں بہتا چلا جاتا ہے۔کلیم الدین احمد بھی اس نظم کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے اور سابقہ نظموں کی خوبیاں بھی گنوا گئے۔لکھتے ہیں :

دو چار سطروں کے بعد ہی یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ روائتی قسم کا ' ساقی نامہ ' نہیں۔عنوان پرانا ہے لیکن خیالات نئے ہیں۔۔۔خضرِ راہ اور ذوق و شوق کی طرح یہاں بھی حسین پس منظر ہے جو صرف حسین ہی نہیں معنی خیز بھی ہے (۲۸)

یہاں یہ بات واضح ہے کہ کلیم الدین احمد کو نظموں کا پس منظر حسین اور معنی خیز محسوس ہوا ہے۔اس طرح تنقید کے جارحانہ انداز کی شدت میں کمی نظر آتی ہے۔تکرار پر جو اعتراض کلیم الدین احمد کو تھا "ساقی نامہ" میں تکرار کے حوالے سے رائے مختلف ہے۔کہتے ہیں:

اقبال اس نظم میں بعض لفظوں کی تکرار کا بہت فن کارانہ استعمال کرتے ہیں جن سے نظم کے مختلف حصے زیادہ مربوط ہو جاتے ہیں اور ایک لفظ کی گونج ہم دوسرے لفظوں میں سنتے ہیں (۲۹)

اور اس تکرار کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اشعار میں کبھی کبھار دوسرے شعروں کی ہلکی سی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے یہ نری تکرار نہیں ،گنبد میں آواز کی گونج کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے خیالات میں استحکام کا ایک طرف،تو شعری اثر کا دوسری طرف ،اضافہ ہوتا ہے(۳۰)

جیسے جیسے کلیم الدین احمد آگے بڑھتے گئے ویسے ویسے نظریات و خیالات میں انتہائی مثبت تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔کہیں تو دیگر نظموں کے حوالے سے سخت ترین رائے کا اظہار کیا ہے اور پھر "ساقی نامہ" کی بدولت ان نظموں کے موضوعات بھی قابلِ ستائش نظر آتے ہیں۔لکھتے ہیں:

یہاں اردو شاعری کے بندھے ٹکے مضامین نہیں۔خیالات نئے، ٹکنیک نئی ہے،یہاں بھی خضرِ راہ یا طلوعِ اسلام کی طرح وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اسے کہہ بھی جاتے ہیں۔لیکن یہاں کہنے کا ڈھنگ شاعرانہ ہے۔اسے خیال کہیے،فلسفہ کہیے، لیکن یہ خیال،یہ فلسفہ،شعری تجربہ بن گیا ہے (۳۱)

اقبال نے اپنے خیالات اور نظریات واضح طور پر پیش کیے ہیں ۔شارحین، مفکرین،مدبرین اور اقبال شناس کوشش کرتے ہیں کہ اقبالیات کے طلبا کو ان راہوں پر گامزن کیا جائے جن پر اقبال خود رواں دواں رہنے کی تلقین کرتے رہے۔اقبال شناس اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اقبال کے افکار، نظریات اور خیالات اقبال ہی کے انداز میں نوجوان نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔بعض اوقات

اسے محض ادبی حدود وقیود کا پابند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔جس سے نقصان پہنچتا ہے۔اقبال نے شاعری میں اجتہاد سے کام لیا اور کارہائے نمایاں انجام دیے۔نظم کے میدان میں،مرثیہ میں،غزل میں،ہر جگہ انفرادی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا۔اس سے یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی ادبی میدان کسی کنوئیں یا تالاب کی طرح محدود نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میدان میں رہ کر بلند مرتبہ پانے والے کوئی مینڈک ہوتے ہیں جو اپنے تالاب یا کنویں کو ہی پوری دنیا سمجھتے ہیں اور اس سے باہر نہیں نکلتے۔ادبی ماہرین سب کچھ جانتے ہیں بس وقت کی بات ہے کسی کو مہلت مل جاتی ہے اور کوئی تمنا رکھنے کے باوجود سب کچھ نہیں کر سکتا۔کلیم الدین احمد کا یہ نظریہ کسی بھی طرح درست نہیں کہ:

> اردو شاعری ایک چھوٹا سا چشمہ ہے یوں مینڈک کے لیے چشمہ ہی بحرِ زخار ہے یا کنواں ساری دنیا ہے (۳۲)

آپ مغربی شاعری کو بہت بڑا سمندر سمجھتے تھے۔اس کا مطلب صرف یہ ہی ہو سکتا ہے کہ آپ مغربی شعر و ادب سے حد درجہ مرعوب تھے اور کیوں نہ ہوتے آپ انگریزی کے پروفیسر تھے۔آپ کا اوڑھنا بچھونا انگریزی تھا۔اس وجہ سے آپ کے قلب و ذہن پر ہر وقت انگریزی علم و ادب ہی غالب رہتا تھا۔اپنے مضمون میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اس کیفیت سے دوچار ہونا بھی پڑتا ہے مگر اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ آپ کی ماہرانہ اور فنکارانہ رائے سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہو۔اقبال کی نظموں کے حوالے سے آپ نے سخت تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے نظموں کو رد بھی کیا ہے۔مثلاََ اقبال کی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ابلیس کی مجلسِ شوریٰ میں نہ تو کوئی پس منظر ہے اور نہ کسی مشیر کی شخصیت اور صورت صاف ابھرتی ہے یہاں تک کہ ابلیس کی بھی شخصیت اور صورت پر الفاظ پردہ ڈال دیتے ہیں۔۔۔اقبال کی نظم میں صرف الفاظ الفاظ الفاظ ہیں (۳۳)

کلیم الدین احمد نے حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کاش اقبال مارول جیسی کوئی نظم لکھتے یاپھر آپ ملٹن کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔کلیم الدین احمد نے اقبال کی پانچ نظموں کا تفصیلی جائزہ لیا اور ان میں نظم "خضرِ راہ" میں صرف دو بند شعریت کے حامل قرار دیے، باقی میں تعلیم اور پیغام۔" طلوعِ اسلام " کے اسلوب کو خطیبانہ قرار دے کر اس میں ایک دو شعر یادگار قراردے کر اس میں اصلاح کا مشورہ دیتے ہیں اور اسے یادگار نظم بنانے کے لیے شرائط لاگو کرتے ہیں۔" مسجدِ

قرطبہ ” کے موضوعات کلیم الدین احمد مسلمانوں کے لیے خوش کن اور ہمت افزا سمجھتے تھے مگر واقعیت سے دور قرار دیتے تھے۔ان کے نزدیک اس نظم کا موضوع کھوکھلا ہی نہیں بلکہ غلط تھا۔اس لیے وہ اسے کسی کام کی نظم نہ سمجھتے تھے۔رہی بات ”ساقی نامہ“ کی تو اقبال کی تو یہ نظم کلیم الدین احمد کو بہت پسند آئی۔آپ کے نزدیک یہ نظم بہت ہی لطیف، پیچیدہ،رنگین اور توانا نظم ہے۔آپکے خیال میں نقوش اور آہنگ کی فنکارانہ گونج جو اس نظم میں ہے وہ اردو نظموں میں نا پید ہے۔کلیم الدین احمد کی اقبال شناسی او ر اقبال فہمی کے اور بھی پہلو ہیں مگر صرف اس انداز کو دیکھیں تو آپ کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔اسے مثبت یا منفی نہیں بلکہ انداز کہا جا سکتا ہے۔اسے یہ بھی ہر گز نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اقبال دشمنی کا اظہار ہے۔ایسا سمجھنے سے تحقیق، تنقید اور تصدیق کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔نہ صرف یہ کہ کوئی نئ چیز کی تخلیق کا راستہ رک جاتا ہے بلکہ غلط خیالات کو تقویت ملتی ہے۔کلیم الدین احمد کی اقبال فہمی انگریزی سے مرعوب تحقیق کا عنصر لیے ہوئے ہے مگر یہ الزام لگا کر ہم اسے خارج نہیں کر سکتے۔انگریزی زبان علم و ادب اور فلسفہ کا بہت بڑا زخیرہ رکھتی ہے۔اقبال کی بہت سی ابتدائی نظمیں انگریزی زبان و ادب سے ماخوذ ہیں۔اقبال کے فکر و فلسفہ میں انگریزی زبان کی بہت اہمیت ہے۔اقبال نے الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید کے لیے سات خطبات پیش کیے تھے جو فکر و فلسفہ کی بے مثال تحریریں ہیں۔اقبال نے خود جان بوجھ کر خطبات انگریزی زبان میں دیے تھے اور اس کی وجہ یہ بتائی تھی کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے ،ان کی ادائیگی کے لیے اردو زبان تیار نہ تھی۔اقبال نے اپنے فکر و فلسفہ کی ترویج کے لیے بہت سے مغربی مفکرین کے افکار کا مطالعہ بھی کیا اور ان میں سے کسی کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور کہیں کسی کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔اس طرح کلیم الدین احمد پر انگریزی سے مرعوب ہونا یا انگریزی فکر کا دفاع کرنا ،یہ تحقیق و تنقید کا موضوع نہیں بنتا۔یہ تو مطالعہ کی وسعت ہونی چاہیے۔اگر کلیم الدین احمد کے یہاں ایسا محسوس ہوتا ہے تو یہ ان کے کثیر المطالعہ ہونے کی دلیل ہے اور انہوں نے اپنی تحقیق میں اس کا ثبوت بھی پیش کیا ہے۔کلیم الدین احمد کا مضمون ” اقبال اور دانتے “ ہو یا ” اقبال اور ملٹن “ ۔ان کا مطالعہ کریں تو مختلف اوقات میں مختلف کیفیات سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی بات کلیم الدین احمد کی اقبال فہمی کا نیا رخ ہے جو عصرِ حاضر کے محققین کو تحقیق کی دعوت دے رہی ہے۔کلیم الدین احمد کی تصنیف ” اقبال۔ایک مطالعہ“ کے تمام مضامین قابلِ مطالعہ ہیں اور تنقید و تحقیق کی دعوت دے رہے ہیں۔کلیم الدین احمد نے ان موضوعات پر انوکھے انداز سے قلم اٹھا کر اقبال فہمی کی راہوں کو وسعت عطا کی ہے۔ان موضوعات پر انفرادی تحقیق سے اقبالیات کا دامن وسیع ہو گا اقبالیات کے

طلبا نئے موضوعات میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے تحقیق و تنقید کا دامن وسیع کرنے میں مثبت کردار ادا کریں گے۔ضروری نہیں کہ کلیم الدین احمد کی باتیں اقبال دشمنی کا باعث ہوں انہیں اقبالیات کا نیا آہنگ،اقبال فہمی کی نئی روایت یا پھر فکرِ اقبال کے مختلف آہنگ ،گویا کسی بھی نئے عنوان کے تحت جانچ کر فکرِ اقبال کو نئے موضوعات فراہم کیے جا سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات،سرینگر: میزان پبلشرز رجسٹرڈ،اشاعت دوم ۲۰۰۹ ء صفحہ ۲۲

۲۔ عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات، صفحہ ۲۷

۳۔ عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات، صفحہ ۳۲

۴۔ عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات، صفحہ ۳۲

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی،خورشید کا سامانِ سفر ،کراچی: ماس پرنٹرزآکسفورڈ یونیورسٹی،پہلی اشاعت۲۰۰۷ء صفحہ ۱۰۱

۶۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ ،دہلی: جمال پرنٹنگ پریس،جولائی ۱۹۷۹ء صفحہ ۷

۷۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۵۲

۸۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں۔فکری و فنی مطالعہ،لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء صفحہ ۱۲۹

۹۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۵۰

۱۰۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۵۵

۱۱۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۵۶

۱۲۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۶۲

۱۳۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۶۲

۱۴۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۶۳

۱۵۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۷۲

۱۶۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں، صفحہ۱۵۱

۱۷۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں، صفحہ ۱۵۳

۱۸۔ خواجہ محمد زکریا،پروفیسر،ڈاکٹر، تفہیم بالِ جبریل ،لاہور:بزمِ اقبال ۲ کلب روڈ ،نومبر۲۰۰۲ ء صفحہ۲۹۷

۱۹۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۸۳

۲۰۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۸۳

۲۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں، صفحہ ۱۹۵

۲۲۔ خواجہ محمد زکریا،پروفیسر،ڈاکٹر، تفہیم بالِ جبریل، صفحہ ۲۵۰

۲۳۔ عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات، صفحہ ۴۱

۲۴۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ۱۸۶

۲۵۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ۱۸۸

۲۶۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۱۹۴

۲۷۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ۱۹۸

۲۸۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۲۰۰

۲۹۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۲۰۲

۳۰۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۲۱۴

۳۱۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۲۱۶

۳۲۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۷

۳۴۔ کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ، صفحہ ۴۱۶

کتابیات

*خواجہ محمد زکریا،پروفیسر،ڈاکٹر، تفہیم بالِ جبریل ،لاہور:بزمِ اقبال ۲ کلب روڈ ،نومبر۲۰۰۲ ء

*رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں۔فکری و فنی مطالعہ،لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء

*شمس الرحمٰن فاروقی،خورشید کا سامانِ سفر ،کراچی: ماس پرنٹرزآکسفورڈ یونیورسٹی،پہلی اشاعت ۲۰۰۷ء

*عبدالحق،پروفیسر،اقبال اور اقبالیات،سرینگر: میزان پبلشرز رجسٹرڈ،اشاعت دوم ۲۰۰۹ ء

*کلیم الدین احمد،اقبال۔ایک مطالعہ ،دہلی: جمال پرنٹنگ پریس،جولائی ۱۹۷۹ء